(۱۹)

ھدایتُ القرآن

مولانا محمّد تقی امینی

قوموں کی ذلّت وپستی کا سبب

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ تا يَعْتَدُونَ

اور ان پر ذلت وپستی ہمار دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

○

لہ بنی اسرائیل کی زندگی کے کچھ واقعات بیان کرکے یہ درمیان میں ان کی حرکتوں اور کاموں کا خاصہ اور نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔ کسی دور وزمانہ کا ذکر نہیں ہے جو قوم بھی اس قسم کی حرکتوں کا ارتکاب کرے گی اور ایسے کام کرے گی اس کا اسی قسم کا انجام ہوگا۔

خاص کر وہ قوم جس کے سامنے بلند وبرتر مقصد ہو اور دنیا کی قیادت وسرداری کے لئے اس کو چنا گیا ہو وہ اگر آزمائش کی مصیبتوں پر صبر نہ کرے گی۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کرے گی اور ان مواقع سے فائدہ نہ اٹھائے گی جو اللہ نے اس کو دیئے ہیں تو اس کو بنی اسرائیل کی یہ تاریخ سامنے رکھنی چاہیئے۔

۲ لہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں بہت سی شرارتوں اور سرکشیوں کے ذکر کے ساتھ نبیوں کے قتل کا بھی ذکر ملتا ہے۔ مثلاً سیعیاہ نبیؑ یرمیاہ نبیؑ زکریا نبیؑ اور یحییٰ نبیؑ کا قتل۔ یہ سب ان کے آپے سے باہر ہوجانے اور ساری حدیں توڑ دینے کی وجہ سے ہوتا رہا۔ ناحق قتل کا مطلب یہ ہے کہ بے خطا وقصور جانتے ہوئے نبیوں کو قتل کرتے تھے۔ یہ حضرات نہ تو کبھی کسی کی جان لیتے اور نہ فتنہ وفساد اور شرانگیزی میں مبتلا ہوتے تھے۔ یہ سبھی کو معلوم تھا کہ ان کا کام خیرخواہی وہمدردی اور کلمۂ حق کہنے کے سوا کچھ نہیں ہے پھر کون سی وجہ تھی جو ان کے خون کو مباح کرتی اور ان کے قتل حق قرار دے سکتی تھی۔

قوموں کی ترقی و سربلندی کا قانون

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا تا وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

بے شک جو ایمان لائے اور جو یہودی نصرانی اور صابی ہیں ان میں جو اللہ پر آخرت کے دن پر ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کے لئے ان کا بدلہ اللہ کے پاس موجود ہے نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

○

اوپر اللہ کے اس قانون کا ذکر ہے جو شرارتوں اور سرکشیوں کے نتیجہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اب اللہ کے اس قانون کا ذکر ہے جو ایمان و عمل صالح کے نتیجہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کو پہلے سرکشی و شرارت میں بطور مثال ذکر کر کے بتایا گیا تھا کہ ذلت و پستی میں اس وقت جو حشر ان کا ہے وہی ہر اس قوم کا ہوگا جو ان جیسی شرارت و سرکشی کی مجرم ہوگی۔ اب ایمان و عمل صالح کے نتیجہ میں کسی خاص قوم کا ذکر نہیں ہے بلکہ ترقی و سربلندی ہر اس قوم کے لئے ہے جو ایمان و عمل صالح اپنے اندر پیدا کرے گی خواہ بگڑنے کے بعد ایمان و عمل صالح پیدا کرے یا ابتداء ہی سے اس پر عمل پیرا ہو۔

آیت میں ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے وہ یہ کہ اگلی پچھلی قوموں میں اللہ کا قانون یہی رہا ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابی ہمیشہ ایمان و عمل صالح کی بدولت حاصل ہوتی رہی ہے۔ نسل، خاندان اور گروہ کی بدولت کبھی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ بنی اسرائیل کی زندگی سامنے ہے کہ نسل خاندان اور گروہ اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا لیکن ایمان و عمل صالح میں فرق آجانے کی وجہ سے ترقی و سربلندی کے بجائے ذلت و پستی کے گڑھے میں گر گئے۔ اگر نسل خاندان اور گروہ ترقی و سربلندی میں اہم کردار ادا کرنے والے ہوتے تو بنی اسرائیل کا یہ حشر نہ ہوتا۔

آیت کے انداز بیان سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ذلت و پستی کسی قوم کے ساتھ اس طرح نہیں چپکا دی جاتی کہ وہ کبھی اس سے جدا نہ ہو۔ ذلت و پستی کے کام چھوڑ کر ایمان و عمل صالح اختیار کرے گی تو ذلت ختم ہو جائے گی بلکہ ترقی و سربلندی حاصل کرنے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔

آیت میں قانون بیان کرنا مقصود ہے۔ ایمان اور عمل صالح کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ قرآن میں جس قدر بھی اللہ کے قانون بیان ہوئے ہیں ان میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ پھر خبر نہیں کہاں سے ایمان کی تفصیلات کی بحث میں پڑ کر یہ بات آیت سے نکال لی گئی کہ نجات و کامیابی کے لیے اللہ کے رسولوں اور خاص کر آخری رسول پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے جب کہ اس جگہ جتنی دینی قوموں کا ذکر ہے وہ رسولوں پر ایمان لانے والی تھیں اور مسلمان آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ایمان لائے تھے۔ اس بنا پر رسولوں اور آخری رسول پر ایمان لانا خود بخود اس میں داخل ہے۔ علیحدہ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان کا ذکر اس جگہ تفصیل بیان کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ اللہ کے بغیر نہ قرآنی ایمان کا وجود ہوتا ہے اور نہ قرآنی عمل صالح قرار پایا جاتا ہے۔ اور آخرت کا ذکر اس بنا پر ہے کہ ایمان و عمل صالح کا یہ قانون دنیا و آخرت میں دونوں میں کامیابی کے لئے ہے کسی ایک کے لئے نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور عمل صالح کیا کیا ہیں؟ ان سب کی تفصیل وہاں دیکھنی چاہیئے جہاں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ قرآنی حقیقت کو پانے کے لئے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیت کس موقع پر ہے اور اس موقع پر آیت کا مقصود کیا بیان کرنا ہے؟ اگر قرآن کے مطالعہ میں اس پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا تو ایسی ہی غلط فہمی پیدا ہوگی جیسا کہ اس آیت میں پیدا ہوئی۔

غلط فہمی اس وجہ سے بھی ہوئی کہ لوگوں نے اس قانون کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور آپ کے بعد کے لئے خاص سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ قانون شروع سے چلا آرہا ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے ہر مومن قوم کو ایمان و عمل صالح کی بنیاد ہی پر جانچا اور پرکھا گیا ہے اور سچے ایمان میں ہر نبی و رسول پر ایمان شامل رہا ہے۔ کسی پر ایمان اور کسی کے انکار کو کبھی بھی سچا ایمان نہیں تسلیم کیا گیا ہے۔

آیت میں چار دینی قوموں کا ذکر ہے جو اس وقت نمایاں تھیں (۱) الذین آمنو (مسلمان)، (۲) اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا (یہودی نہ صرف بنی اسرائیل) (۳) النصاریٰ (نصرانی جو حضرت عیسیٰؑ کو نبی مانتے تھے)۔ (۴) الصابیٔین (جو توحید و رسالت پر عقیدہ رکھتے

تھے)۔ ان سب کو خبردار کیا گیا ہے کہ نجات و کامیابی کے لئے اصل ایمان و عمل صالح ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو قومی ترقی و سربلندی کے قانون میں اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

بنی اسرائیل کی سرکشی و روگردانی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ تا لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا[1] اور تم پر کوہ طور بلند کیا[2] (اور کہا) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس کو مضبوط پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ پھر تم اس کے بعد پھر گئے اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم تباہ ہو جاتے۔

○

[1] بنی اسرائیل میں ذلت و پستی کی وجہ سے جو بُری خصلتیں ابھر آئی تھیں اور ان کی ترقی و سربلندی میں جو رکاوٹ بنی ہوئی تھیں اب انکا ذکر ہے۔ مثلاً عہد و معاہدہ اور قول و قرار کا لحاظ پاس بالکل نہیں رہ گیا تھا خواہ کتنے ہی مقدس جگہ میں اور کتنے ہی اہتمام سے لیا گیا ہو۔ یہ وہی عہد و معاہدہ اور قول و قرار معلوم ہوتا ہے جس کے لئے حضرت موسیٰ ستر مانے ہوئے لیڈروں کو طور پہاڑ پر لے گئے تھے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

[2] یہ پہاڑ کے دامن میں تھے اور اس کی بلندی میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے اور اس وقت پہاڑ میں زلزلہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی جس سے اس کے گرنے کا اندیشہ ہو رہا تھا۔ اس طرح نہایت مقدس جگہ میں اللہ کی عظمت و جلال کو دکھا کر اس کے احکام پر عمل درآمد کا عہد و معاہدہ اور قول و قرار لیا گیا تھا۔ پھر بھی یہ سرکشی سے باز نہ آئے اور اس کی خلاف ورزی کی۔ یہاں ان کی ذلت و پستی کی اسی ایک خصلت (بدعہدی) کا ذکر مقصود ہے۔

حیلہ سازی و اللہ کے ساتھ چالاکی

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا تا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔

اور بے شک تمہیں وہ لوگ معلوم ہیں جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی تو ہم نے ان سے کہا تم ذلیل بندر ہو جاؤ پھر ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت کا تازیانہ بنایا اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنائی۔

لے یہودیوں کی شریعت میں سنیچر کا دن نہایت مقدس اور عبادت کے لیے خاص تھا۔ اس دن کاروبار اور سیروشکار سنگین جرم تھا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا سخت سزا کا مستحق ہوتا تھا۔ یہودیوں نے اس حکم کو توڑنے کے لئے شرعی حیلہ نکال لیا وہ یہ کہ سمندر کا پانی کاٹ کر لے جانے کے لئے انہوں نے بہت سے نالے نالیاں بنائیں اور سنیچر کے دن جب پانی کی سطح پر مچھلیاں آئیں اور اس دن بہت آتی تھیں تو سمندر کا پانی مچھلیوں کے ساتھ ان میں آجاتا پھر دوسرے دن انکا شکار کر لیتے تھے۔ جب مذہب کی روح نکل جاتی اور صرف رسم ورواج کی خانہ پُری رہ جاتی ہے تو دنیا کی ہر قوم اسی طرح شرعی حیلہ نکال کر اللہ کے ساتھ چالاکی کا رویہ اختیار کرتی ہے۔ ہمارے یہاں بھی فقہ کی کتاب الحیل میں بہت سے حیلے شرعی احکام سے بچنے کے لئے بیان ہوئے ہیں جن میں بعض یہودیوں کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ے یہ ان کی سزا کا ذکر ہے۔ ذلت وخواری اور اخلاق و کردار میں پستی کو ذلیل بندر ہو جانے سے بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر انسان کو دو باتوں میں بندر کہا جاتا ہے (۱) نقالی اور (۲) بدکاری۔ یہودیوں میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں (۱) شرعی احکام کی صرف نقل باقی رہ گئی تھی۔ ان کی روح اور زندگی میں اس کا اثر ختم ہو چکا تھا۔

(۲) بدکاری بکثرت تھی جس کا تذکرہ بائیبل میں موجود ہے۔ یہاں ذلت وخواری اور اخلاق وکردار کی وہ پستی مراد ہے جس میں انسان ہوش وحواس کھو دیتا ہے اور سوسائٹی میں اس کو نہایت حقیر وذلیل سمجھا جانے لگتا ہے یہ پہلے زمانہ میں ایک خاص بستی کے لوگوں کا ذکر ہے اور یہودیوں کی تاریخ کا مشہور واقعہ تھا۔

شرعی حکم پر عمل کرنے میں کٹ حجتی

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ تا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں۔ کہا میں اللہ کی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی غیر سنجیدہ بات کہوں۔ انہوں نے کہا آپ اپنے رب سے درخواست کیجیے کہ اس گائے کی کچھ تفصیل بتایئے کہا وہ فرماتا ہے ایک ایسی گائے ہونی چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا (بلکہ) بیچ کی راس ہو۔ بس کر ڈالو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے لئے یہ اور پوچھ دیجیے کہ اس کا رنگ کیسا ہو کہا وہ فرماتا ہے کہ زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے جس کا رنگ شوخ ہو جو دیکھنے والوں کا دل خوش کرتی ہو۔ انہوں نے کہا اپنے رب سے کہیے کہ اور واضح کر دے کہ وہ کیسی ہو کیونکہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور پتہ لگانے میں کامیاب ہوں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ ایسی گائے ہو جس سے زمین کو جوتنے اور کھیتی کی آب پاشی کا کام نہ لیا جاتا ہو بے عیب ہو۔ اس میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ اب آپ نے ٹھیک پتہ بتایا پھر انہوں نے ذبح کیا حالانکہ وہ ذبح کرنے والے نہ تھے[1]

O

[1] گائے ذبح کرنے کے حکم میں دو باتیں پیش نظر تھیں۔ ایک کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور دوسری کا ذکر آگے "وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا ..... الخ" میں ہے۔ پہلی بات گائے کی عظمت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ عرصہ تک مصریوں میں رہنے سہنے کی وجہ سے یہودیوں میں گائے کی عظمت رچ بس گئی تھی بار بار اس کی پرستش سے روکے جانے کے باوجود دلوں میں اس کی عظمت موجود تھی۔ اللہ کی تدبیر نے اس کا راستہ یہ نکالا کہ ایک خاص تقریب میں (جس کا ذکر آگے واذا قتلتم .... الخ میں آرہا ہے) گائے کی قربانی کا حکم دیا اور ان کی کٹ حجتی و بار بار کے سوالات نے بات کو اسی قسم کی گائے تک پہنچا دیا جس قسم کی گائے کی پرستش کی جاتی تھی۔ چار و ناچار انہوں نے گائے کی قربانی کی۔

(باقی صفحہ ۴۶ پر)